دیباچہ "بانگِ درا" پر ایک نظر

محمد آصف اعوان

محمد امجد عابد

Abstract:

Iqbal's first Urdu poetry collection, *Bang-e-Dra*, was published in 1924. The preface to this collection was written by Sheikh Abdul Qadir, one of Iqbal's closest friends. Their friendship began during Iqbal's student days at Government College Lahore and deepened over time. In the preface to *Bang-e-Dra*, Sheikh Abdul Qadir discusses various aspects of Iqbal's life, education, poetry, and literary works. He also mentions the teachers who played a significant role in shaping Iqbal's education and training.According to Sheikh Abdul Qadir, the poems written during Iqbal's stay in Europe reflect a unique influence of European society. The preface is particularly significant because it includes events that Sheikh Abdul Qadir personally witnessed, making him the sole narrator of these occurrences. This gives the preface a distinctive and important position in the context of Iqbal studies. However, some of the conclusions drawn by Sheikh Abdul Qadir regarding certain events have been contested by later interpreters of Iqbal's work. The objective of this study is to critically analyze the preface written by Sheikh Abdul Qadir and shed light on key points that have been a source of disagreement among Iqbal's critics and scholars.

اقبال کا پہلا اردو شعری مجموعہ "بانگ درا" ہے جو ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔ اس شعری مجموعے کا دیباچہ شیخ عبدالقادر نے تحریر کیا۔ شیخ عبد القادر اقبال کے بہترین دوستوں میں سے تھے، جب اقبال گورنمنٹ کالج لاہور میں طالب علم تھے تو اسی زمانے میں شیخ عبد القادر اور اقبال کے تعلقات پیدا ہوئے جو بعد میں بتدریج گہرے ہوتے چلے گئے۔ عبدالرؤف اپنی کتاب "رجال اقبال" میں رقم طراز ہیں:

''اقبال نے اپنا پہلا مجموعہ کلام ''بانگِ درا'' مرتب کیا۔ جب یہ مرتب ہوا تو سوال پیدا ہوا کہ اس کا دیباچہ لکھا جائے۔ بعض نے اس کی حمایت کی اور بعض نے مخالفت۔ بالآخر دیباچہ کے حق میں فیصلہ ہوا۔ ساتھ ہی اس پر غور کیا گیا کہ دیباچہ کون لکھے گا۔ لوگوں نے کہا کہ دیباچہ نویسی کے اصل مستحق عبد الرحمن بجنوری تھے مگر افسوس کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اقبال نے جواب میں بتایا کہ اگر بجنوری زندہ بھی ہوتے تو میں ان کو دیباچہ نویسی کی تکلیف نہ دیتا۔ دیباچہ لکھنے کا سب سے زیادہ حق عبد القادر ہی کا ہے اور وہی لکھیں گے۔'' ۱

اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال کے دل میں شیخ عبد القادر کے لیے کس قدر عزت و احترام اور محبت تھی، چنانچہ ''بانگ درا'' کا دیباچہ لکھنے کا کام شیخ عبد القادر کے ہی سپرد ہوا۔ تاہم اگر ''بانگِ درا'' کے دیباچہ کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو کچھ باتیں نمایاں ہو کر سامنے آئیں گی۔

۱۔ جذباتی اندازِ بیان ۲۔ سرسری معلومات ۳۔ بے ترتیب خیالات

شیخ عبد القادر دیباچہ کا آغاز ہی اس سوالیہ اور جذباتی جملے سے کرتے ہیں:

''کسے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہو گا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا۔'' ۲

پھر لکھتے ہیں:

''اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خان غالب کو اردو اور فارسی شاعری سے جو عشق تھا اس نے ان کی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسد خاکی میں جلوہ افروز ہو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرے۔''۳

شیخ عبد القادر کے جذباتی اندازِ بیان کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

''جب شیخ محمد اقبال کے والدِ بزرگوار اور ان کی پیاری ماں ان کا نام تجویز کر
رہے ہوں گے تو قبول دعا کا وقت ہو گا کہ ان کا دیا ہوا نام اپنے پورے
معنوں میں صحیح ثابت ہو۔''۴

شیخ عبد القادر کے اس جذباتی اندازِ بیان کی وجہ اُن کی کی اقبال سے گہری عقیدت و محبت ہے۔ شیخ عبد القادر اقبال کے دوست ہی نہیں ایسے بااعتماد ساتھی بھی تھے جنہیں اقبال نے اپنی فکر و نظر اور ذہن و قلب میں ابھرنے والی انقلابی تحریکات کا رازداں بھی بنایا ہے، چنانچہ شیخ عبد القادر اگر اقبال کے حوالے سے کسی قدر جذباتی اندازِ اظہار اختیار کرتے ہیں تو یہ ایک فطری اَمر معلوم ہوتا ہے۔

شیخ عبد القادر ''بانگِ درا'' کے دیباچے میں اقبال کی زندگی، تعلیم و تربیت، شاعری اور تصانیف کے حوالے سے بہت سے امور زیرِ بحث لائے ہیں تاہم یہ بات کھٹکتی ہے کہ ان امور کے حوالے سے فراہم کردہ معلومات نہایت محدود، سَرسَری اور غیر معیاری ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ شیخ عبد القادر نے حیاتِ اقبال سے متعلق گہری معلومات اکٹھی کیے بغیر دیباچہ تحریر کیا اور بہت سی ضروری معلومات سے صرفِ نظر کیا۔ شیخ صاحب اقبال کی تعلیمی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سیالکوٹ کے کالج میں ایف۔اے کے درجہ تک تعلیم تھی۔بی۔اے کے
لیے شیخ محمد اقبال کو لاہور آنا پڑا۔''۵

یہ تو درست ہے کہ اقبال نے سیالکوٹ کے ایک کالج میں ایف۔اے تک تعلیم حاصل کی، لیکن کس کالج میں؟ اقبال ایک بہت بڑی شخصیت ہیں۔ ان سے متعلق چھوٹی چھوٹی معلومات سے بھی قاری کو دلچسپی ہے۔ شیخ عبد القادر یہ بھی نہیں بتاتے کہ اقبال کس سنہ میں لاہور تشریف لائے؟ کس سنہ میں انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے اور ایم۔ اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ شیخ عبد القادر نے یورپ میں اقبال کی تعلیمی سرگرمیوں کا ذکر بھی نہایت سرسری اور نامکمل صورت میں کیا ہے۔ انہیں اقبال کے ڈاکٹریٹ کے مقالہ کے حوالے سے بھی صحیح معلومات حاصل نہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس تحقیقی مقالہ کا نام بھی غلط تحریر کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اقبال نے یورپ کے قیام کے زمانہ میں بہت سی فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا
اور اس مطالعہ کا خلاصہ ایک محققانہ کتاب کی صورت میں شائع کیا جسے

''فلسفہ ایران کی مختصر تاریخ'' کہنا چاہیے۔ اسی کتاب کو دیکھ کر جرمنی
والوں نے شیخ محمد اقبال کو ڈاکٹر کا علمی درجہ دیا۔''٦

اس اقتباس کے مطالعہ سے قاری کے ذہن میں کئی سوالات اٹھتے ہیں:

۱۔ کیا اقبال نے یورپ میں بیٹھ کر محض فارسی کتابوں کے مطالعہ سے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کر لی؟

۲۔ کیا اپنے طور پر لکھی ہوئی کوئی محققانہ کتاب ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا باعث بن سکتی ہے؟

۳۔ کیا ایسی محققانہ کاوش پر پی ایچ۔ڈی کی ڈگری مل سکتی ہے جو ڈگری کے حصول سے قبل ہی شائع ہو چکی ہو؟

۴۔ کیا اقبال کے پی ایچ۔ڈی کے تحقیقی مقالہ کا عنوان ''فلسفہ ایران کی مختصر تاریخ'' تھا؟''۷

حقیقت یہ ہے کہ درج بالا سوالات میں سے کسی سوال کا جواب بھی اثبات میں نہیں ہے۔ دراصل شیخ عبد القادر کا مذکورہ بیان کسی بات کو معمولی اہمیت دیتے ہوئے اسے سرسری اور غلط بیان کر دینے کے غیر محتاط رویے کی عکاسی کرتا ہے۔

شیخ عبد القادر نے ''بانگِ درا'' کے دیباچہ میں اقبال کے ان اساتذہ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اقبال کی تعلیم و تربیت میں نمایاں حصہ لیا۔ اس ضمن میں سید میر حسن، پروفیسر آرنلڈ، کیمبرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر میک ٹیگرٹ، براؤن، نکلسن اور سارلی کا نام آیا ہے تاہم شیخ عبد القادر نے میونخ یونیورسٹی جرمنی کے ان اساتذہ کا ذکر نہیں کیا جنہوں نے اقبال کے پی ایچ۔ڈی کے تحقیقی مقالہ کی تیاری میں اقبال کی معاونت کی۔ اچھا ہوتا اگر شیخ عبد القادر اقبال کی ان خاتون جرمن اساتذہ کا ذکر بھی کر دیتے جن کے لیے اقبال اپنے دل میں بہت عزت و احترام رکھتے تھے۔۸

شیخ عبد القادر ''بانگِ درا'' کے دیباچہ میں اقبال کی حیات اور تعلیم کے بعد ان کی شاعری کے آغاز و ارتقا کی بات کرتے ہیں۔ جناب عبد القادر کا یہ بیان بالکل درست ہے کہ اقبال:

''ابھی اسکول میں ہی پڑھتے تھے کہ کلامِ موزوں زبان سے نکلنے لگا۔'' ۹

اس حوالے سے سید نذیر نیازی اپنی کتاب ''دانائے راز'' میں رقم طراز ہیں:

''فطرت نے محمد اقبال سے خود ہی شعر کہلوایا۔ بچپن ہی سے کلام موزوں
زبان سے نکل رہا تھا۔''۱۰

شیخ عبد القادر نے داغ دہلوی سے اقبال کے تلمذ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اقبال نے اپنی شاعری کی ابتدا میں کچھ غزلیں بذریعہ خط داغ دہلوی کو اصلاح کے لیے بھیجیں اور بقول شیخ عبد القادر:

> ''اس طرح اقبال کو اردو زبان دانی کے لیے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ہوئی جو اپنے وقت میں زبان کی خوبی کے لحاظ سے فن غزل میں یکتا سمجھا جاتا تھا۔''۱۱

اس میں شک نہیں کہ داغ دہلوی اپنے دور کے ایک اہم اور قد آور اردو دان شاعر تھے اور اقبال کا ان سے اس حوالے سے متاثر ہونا بھی بعید از قیاس نہیں۔ تاہم داغ دہلوی کی صرف زبان دانی کا ذکر کرنا اور اسلوب کو نظر انداز کرنا، سراسر زیادتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ داغ کی شاعری زبان کی خوبی تو اپنی جگہ، اصل میں اسلوب کی انفرادیت کی بنا پر زیادہ پہچانی جاتی ہے۔ اقبال بھی داغ کے اسلوب اور طرزِ بیان سے ہی زیادہ متاثر تھے۔ داغ کی وفات پر لکھے گئے مرثیہ بعنوان ''داغ'' میں اقبال نے داغؔ کی زبان دانی کا کہیں ذکر نہیں کیا البتہ ان کے طرزِ بیان اور اسلوب کی بار بار تعریف کی ہے۔ لکھتے ہیں:

اب کہاں وہ بانکپن، وہ شوخی طرز بیاں
آگ تھی کافور پیری میں جوانی کی نہاں

(ب۔د، ص۔۸۹)

اور پھر:

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون
اُٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون

(ب۔د، ص۔۹۰)

اقبال کے ابتدائی اور پختہ دور شاعری کی بہت سی ایسی غزلیں ہیں، جو داغ دہلوی کے طرز بیان اور رنگِ تغزل کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی

(ب۔د، ص۔۹۸)

تمہارے پیامی نے سب راز کھولا
خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی

(ب۔د، ص۔۸۹)

"بال جبریل" کی دوسری غزل کا صرف پہلا شعر ملاحظہ ہو:

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا؟
مجھے فکر جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا؟

(ب۔ج، ص۔۶)

یوں اقبال کی طبع پر داغ دہلوی کے اسلوب اور طرزِ بیان کے اثرات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ تاہم شیخ عبدالقادر کا اختصار اور سرسری اندازِ بیان یہاں بھی آڑے آتا ہے اور وہ صرف داغ دہلوی کی زبان دانی پر اکتفا کرتے ہوئے اقبال کی شاعری پر داغ دہلوی کے طرز بیان کے اثرات کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

شیخ عبدالقادر لاہور میں اقبال کی شعری سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام بیسویں صدی کے آغاز سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے غالباً دو تین سال پہلے میں نے انہیں پہلی مرتبہ لاہور کے ایک مشاعرہ میں دیکھا۔ اس بزم میں ان کو ان کے چند ہم جماعت کھینچ کر لے آئے اور انہوں نے کہہ سن کر ایک غزل بھی پڑھوائی۔ اس وقت تک لاہور میں لوگ اقبال سے واقف نہ تھے۔ چھوٹی سی غزل تھی۔ سادہ سے الفاظ زمین بھی مشکل نہ تھی۔ مگر کلام میں شوخی اور بے ساختہ پن موجود تھا۔" ۱۲

سطور بالا میں شیخ عبدالقادر نے اقبال کی جس غزل کی طرف اشارہ کیا ہے یہ ایک نہایت اہم غزل تھی، یہی وہ غزل تھی جسے سن کر مرزا ارشد گورکانی نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ اقبال مستقبل میں ہندوستان کا ایک بہت بڑا شاعر ہو گا۔ یہ غزل ۱۸۹۶ء کے ایک مشاعرہ میں پڑھی گئی۔ چنانچہ عبدالقادر کا یہ کہنا کہ "۱۹۰۱ء

میں غالباً دو تین سال پہلے میں نے انہیں پہلی مرتبہ لاہور کے ایک مشاعرہ میں دیکھا" درست معلوم ہوتا ہے۔
عبد القادر ایک ادبی مجلس اور اقبال کی نظم "ہمالہ" کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اتنے میں ایک ادبی مجلس قائم ہوئی جس میں مشاہیر شریک ہونے لگے اور نظم و نثر کے مضامین کی اس میں مانگ ہوئی۔ شیخ محمد اقبال نے اس کے ایک جلسہ میں اپنی وہ نظم جس میں "کوہ ہمالہ" سے خطاب ہے پڑھ کر سنائی۔ اس میں انگریزی خیالات تھے اور فارسی بندشیں۔ اس پر خوبی یہ کہ وطن پرستی کی چاشنی اس میں موجود تھی۔" ۱۳

شیخ عبد القادر یہ تو ذکر کرتے ہیں کہ ایک ادبی مجلس قائم ہوئی جس میں اقبال نے اپنی نظم "ہمالہ" پڑھی، لیکن یہ ادبی مجلس کون سی تھی؟ کس نے قائم کی اور کہاں قائم ہوئی؟ اس کے بارے میں بالکل خاموش رہتے ہیں۔ تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ اقبال نے اپنی نظم 'ہمالہ'، "انجمن کشمیری مسلمانان لاہور" کے پلیٹ فارم سے پڑھی اور وہیں سے اقبال کی شاعری کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس ضمن میں افضل حق قریشی اپنے مضمون "مجلس کشمیری مسلمانانِ لاہور اور اقبال" میں لکھتے ہیں:

> "انجمن کشمیری مسلمانانِ لاہور وہ تنظیم ہے جس کے پلیٹ فارم سے اقبال کی شاعری کا باقاعدہ طور پر آغاز ہوا۔" ۱۴

نظم "ہمالہ" کے حوالے سے عبد القادر صاحب کا یہ کہنا کہ اس میں "انگریزی خیالات تھے" اور "وطن پرستی کی چاشنی اس میں موجود تھی" عجیب معلوم ہوتا ہے۔ خدا جانے انگریزی خیالات کی جھلک انہوں نے اس نظم میں کہاں سے دیکھ لی یا یہ کہ انگریزی خیالات سے ان کی کیا مراد ہے؟ اگر وہ اس نظم میں منظر نگاری یا مظاہر فطرت کی عکاسی کو انگریزی خیالات کے اطلاق سے تعبیر کرتے ہیں تو یہ سراسر غلط فہمی ہے۔ تصویر کشی یا منظر نگاری اور مظاہر فطرت کی عکاسی تو اردو اصناف مثلاً مثنوی اور مرثیہ وغیرہ کی پرانی روایت ہے۔ نظم "ہمالہ" سے وطن پرستی کا پہلو برآمد کرنا بھی درست نہیں۔ ہاں اگر حب الوطنی کہا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال اعلیٰ تعلیم کی غرض سے یورپ میں رہے۔ شیخ عبد القادر صاحب نے اس دور کو اقبال کی شاعری کا دوسرا دور قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے جو انہوں نے یورپ میں بسر کیا۔ گو وہاں انہیں شاعری کے لیے نسبتاً کم وقت ملا اور ان نظموں کی تعداد جو وہاں کے قیام میں لکھی گئیں تھوڑی ہے مگر ان میں ایک خاص رنگ وہاں کی معاشرت کا نظر آتا ہے۔"۱۵

عبد القادر صاحب کے بقول قیام یورپ کے زمانے میں لکھی گئی نظموں میں وہاں کی معاشرت کا ایک خاص رنگ ملتا ہے مگر وہ اس کی وضاحت نہیں کرتے۔ اگر شیخ عبد القادر یورپی معاشرت کی ترجمان نظموں کے نام دے کر ان میں یورپی معاشرتی پہلوؤں کی نشان دہی بھی کر دیتے تو قاری کے لیے ان کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں زیادہ سہولت ہوتی۔۱۶

شیخ عبد القادر نے دیباچہ "بانگِ درا" میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ قیام یورپ کے دوران اقبال کی طبیعت میں دو تغیرات آئے۔ ایک تو یہ کہ قیام یورپ کے زمانے میں ایک موقع ایسا آیا کہ جب اقبال نے شاعری کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا تاہم بعد میں انہوں نے اپنے استاد ڈاکٹر آرنلڈ کے کہنے پر اس ارادے کو بدل ڈالا۔ اقبال کی طبع میں دوسرا تغیر یہ رونما ہوا کہ انہوں نے بقول عبد القادر:

"فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعہ اظہار خیال بنالیا۔"۱۷

فارسی زبان کی طرف راغب ہونے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے شیخ عبد القادر لکھتے ہیں:

"میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنی کتاب حالاتِ تصوف کے متعلق لکھنے کے لیے جو کتب بینی کی، اس کو بھی ضرور تغیر مذاق میں دخل ہو گا۔ اس کے علاوہ جوں جوں ان کا مطالعہ علم فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا اور دقیق خیالات کے اظہار کو جی چاہا تو انہوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلہ میں اردو کا سرمایہ بہت کم ہے اور فارسی میں کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے ڈھالنے آسان نہیں۔ اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔" ۱۸

شیخ عبد القادر کے نزدیک اقبال کی فارسی زبان کی طرف رغبت کی ایک وجہ تو فارسی ادب کا وسیع مطالعہ ہے اور دوسرا یہ کہ اقبال نے دقیق فلسفیانہ خیالات کے اظہار کی خاطر فارسی گوئی کی طرف توجہ دی تاہم ان وجوہ کے علاوہ شیخ عبد القادر ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جو بقول ان کے اقبال کی فارسی کی طرف رغبت کا فوری سبب بنا۔ عبد القادر لکھتے ہیں:

> ''جس چھوٹے سے واقعہ سے ان کی فارسی گوئی کی ابتدا ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ ایک دوست کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سنانے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ انہوں نے سوائے ایک آدھ شعر کبھی کہنے کے فارسی لکھنے کی کوشش نہیں کی مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آکر بستر پر لیٹے ہوئے باقی وقت وہ شائد فارسی اشعار کہتے رہے اور صبح اٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو وہ تازہ غزلیں فارسی میں تیار تھیں۔'' ۱۹

''بانگِ درا'' کا دیباچہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس دیباچہ میں شیخ عبد القادر نے بعض ایسے واقعات قلمبند کیے ہیں جو خود ان کے سامنے رونما ہوئے اور وہ ان واقعات کے واحد راوی ہیں۔ چنانچہ اس لحاظ سے یہ دیباچہ نہایت اہم اور انفرادی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ تاہم بعض واقعات سے انہوں نے جو نتائج اخذ کیے ہیں ان سے شارحین اقبال اختلاف کرتے ہیں۔ جہاں تک ترک شاعری اور پھر پروفیسر آرنلڈ کے کہنے پر شاعری جاری رکھنے والے واقعے کا تعلق ہے اس میں تو کسی کو کوئی اشکال نہیں لیکن جہاں تک اقبال کی فارسی گوئی کو محض کسی ایک واقعہ سے منسوب کرنے کا تعلق ہے تو اس ضمن میں محققین اختلافی رائے رکھتے ہیں۔ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی اپنی کتاب ''اقبالیات کا تنقیدی جائزہ'' میں رقم طراز ہیں:

> ''سر شیخ عبد القادر مرحوم نے اپنے مقدمہ ''بانگِ درا'' میں بیان کیا ہے کہ قیامِ یورپ کے زمانہ میں فارسی اشعار سنانے کی فرمایش پر اقبال کو فارسی میں لکھنے کی تحریک ہوئی۔ صرف یہی وجہ ان کے فارسی کی طرف متوجہ ہو جانے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ وہ خاص وجوہ اور بھی ہیں ایک تو یہ کہ اس

زبان میں صوفیانہ اور فلسفیانہ خیالات ادا کرنے کی صلاحیت ہے دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ ہندوستان سے باہر دوسرے اسلامی ممالک میں ان کے خیالات کی نشر واشاعت ہو سکے۔'' ۲۰

اس طرح ڈاکٹر فرمان فتح پوری دیباچہ ''بانگِ درا'' میں شیخ عبد القادر کے بیان کردہ واقعے کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ جواب شافی نہیں ہے۔ اقبال کی بعض تحریروں اور شعروں سے پتا چلتا ہے کہ ان کے اس شعور و ادراک نے کہ اردو کی بہ نسبت فارسی میں صوفیانہ اور فلسفیانہ خیالات ادا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہے اور اس کے ذریعے ان کا پیغام برصغیر سے باہر اسلامی ممالک اور یورپ تک پہنچ سکتا ہے، انہیں فارسی گوئی کی طرف مائل کیا۔'' ۲۱

جہاں تک شیخ عبد القادر کے بیان کردہ واقعے کا تعلق ہے اس میں دم خم نہیں۔ اس واقعہ سے بھی متاثر ہو کر اقبال فارسی کی طرف ضرور مائل ہوئے ہوں گے تاہم مستقل طور پر فارسی کو ذریعۂ اظہار بنانے کی وجہ وہی اسباب ہو سکتے ہیں جن کی طرف احمد میاں اختر جوناگڑھی یا ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اشارہ کیا ہے۔ شیخ عبد القادر 'بانگِ درا'' کے دیباچے میں اقبال کے فارسی کی طرف راغب ہونے کے واقعے کو ایک انقلابی موڑ قرار دیتے ہوئے اسے اقبال کی شاعری کے تیسرے دور کا نقطۂ آغاز قرار دیتے ہیں۔

بقول شیخ عبد القادر آہستہ آہستہ اقبال کی طبیعت فارسی میں اس قدر ڈھل گئی کہ جب کبھی اردو نظم بھی لکھتے تو اس میں فارسی الفاظ، ترکیبیں اور بندشوں کا جگہ جگہ استعمال کرتے۔ ۲۲

''فارسی گوئی کا ایک اثر اقبال کے کلام پر یہ ہوا کہ جو نظمیں اردو میں دور سوم میں لکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر میں فارسی ترکیبیں اور فارسی بندشیں پہلے سے بھی زیادہ ہیں اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تضمین کی گئی ہے۔''۲۳

''بانگِ درا'' حصہ سوم کی نظموں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ عبد القادر دیباچہ ''بانگ درا'' میں بالکل درست لکھتے ہیں کہ ''بانگِ درا'':

"ایک صدی کے چہارم حصے کے مطالعے اور تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ
اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے بعض نظموں میں ایک ایک شعر اور ایک ایک
مصرع ایسا ہے کہ اس پر ایک مستقل مضمون لکھا جا سکتا ہے۔" ۲۴

شیخ عبد القادر نے صحیح کہا کہ "بانگِ درا" اقبال کے چوبیس سالہ تجربات و مشاہدات پر مبنی ہے۔ تاہم ان تجربات و مشاہدات کی روشنی میں اقبال نے "بانگِ درا" میں اپنی فکر و فن کا کس طرح اظہار کیا ہے۔ اس پر شیخ عبد القادر نے کچھ نہیں لکھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ شیخ عبد القادر نے دیباچہ "بانگِ درا" میں حیاتِ اقبال، فکرِ اقبال کے ارتقا اور اقبال کی فارسی گوئی کے حوالے سے تو باتیں کی ہیں تاہم جس کتاب پر وہ دیباچہ لکھ رہے تھے اس کے مندرجات و مباحث کو وہ یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ عبد الرؤف، رجال اقبال، (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۸ء)، ص ۳۵۳

۲۔ عبد القادر، دیباچہ "بانگ درا"، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۴ء)، ص ۹

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً، ص ۱۰

۶۔ ایضاً، ص ۹۔۱۰

۷۔ اقبال نے ۱۹۰۸ء میں اپنے جس تحقیقی مقالے پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی اس کا نام "The Development of Metaphysics in Persia" تھا۔ اردو میں اس کا ترجمہ "ایران میں ما بعد الطبیعیات کا ارتقا" ہے۔

۸۔ میونخ یونیورسٹی جرمنی میں اقبال کی استانیاں دو پروفیسر لڑکیاں فروالین ویگے ناسٹ اور فراولین سینے شال تھیں۔

۹۔ عبد القادر، دیباچہ "بانگِ درا"، ص ۱۰

۱۰۔ ایضاً، ص۱۰

۱۱۔ ایضاً، ص۱۱

۱۲۔ ایضاً، ص۱۲

۱۳۔ ایضاً، ص۱۳

۱۴۔ افضل حق قریشی، مضمون: ''مجلس کشمیری مسلمانان لاہور'' مشمولہ: ''منتخب مقالات'' اقبال ریویو، مرتبہ: ڈاکٹر وحید قریشی، (لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۸۳ء)، ص۴۱۹

۱۵۔ عبدالقادر، دیباچہ ''بانگِ درا''، ص۱۵

۱۶۔ قیام یورپ کے زمانے میں یورپی معاشرتی پہلو کی عکاس خاص طور پر یہ نظمیں قابل ذکر ہیں: محبت، حقیقت حسن، حسن و عشق، عاشق ہرجائی، جلوہ حسن اور پیامِ عشق

۱۷۔ عبدالقادر، دیباچہ ''بانگِ درا''، ص۱۵

۱۸۔ ایضاً، ص۱۶،۱۵

۱۹۔ ایضاً، ص۱۶

۲۰۔ احمد میاں اختر جوناگڑھی، قاضی، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، (لاہور: اقبال اکادمی ۱۹۷۷ء)، ص۷۶

۲۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اقبال سب کے لیے، (کراچی: اُردو اکیڈمی، ۱۹۷۸ء)، ص۳۹۹

۲۲۔ اس ضمن میں اقبال کی بہت سی نظموں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً تضمین بر شعر انیسی شاملو، نصیحت، شکوہ، جواب شکوہ، بزمِ انجم، ہلال عید، شمع اور شاعر، والدہ مرحومہ کی یاد میں اور تضمین بر شعر رضی دانش

۲۳۔ عبدالقادر، دیباچہ ''بانگِ درا''، ص۱۷

۲۴۔ ایضاً، ص۵۰